۷

مولانا محمد علی جوہر

مولانا عبدالماجد دریابادی

پیش درس

خاکہ ادب کی وہ صنف ہے جس میں کسی شخص کی منفرد اور نمایاں خصوصیات کو اس انداز سے بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی مکمل تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اسے مرقع یا قلمی تصویر بھی کہتے ہیں۔ لفظ 'خاکہ' انگریزی لفظ sketch کا ترجمہ ہے۔ خاکے میں جس شخص کی تصویر کشی کی جاتی ہے، اس کے خیالات و افکار، سیرت و کردار اور عادات و اطوار کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ خاکے کا مقصد کسی شخص کی ظاہری اور باطنی خصوصیات کو اس طرح بیان کرنا ہے کہ اس کی انفرادیت نمایاں ہوجائے۔ خاکہ نگاری، سوانح نگاری سے مختلف ہے۔ اس میں سوانح حیات کی طرح تمام حالات و واقعات بیان کرنا ضروری نہیں۔

خاکہ نگار کے لیے لازمی ہے کہ وہ جس شخص کا خاکہ لکھ رہا ہے، اس سے اچھی طرح واقف ہو۔ مردم شناسی، ہمدردی اور انسانی نفسیات کا علم خاکہ نگار کے لیے ضروری ہے۔ حقیقی شخصیات کے علاوہ خیالی شخصیات بھی خاکے کا موضوع ہوسکتی ہیں۔ ادبی خاکوں میں طنز و مزاح، لطفِ زبان اور انشا پردازی کے عمدہ نمونے پائے جاتے ہیں۔

اُردو میں خاکہ نگاری کے ابتدائی نقوش تذکروں میں ملتے ہیں۔ محمد حسین آزاد کی 'آبِ حیات' میں اس کے عمدہ نمونے موجود ہیں۔ خاکہ نگاری کو بیسویں صدی میں زیادہ فروغ ملا۔ مرزا فرحت اللہ بیگ، مولوی عبدالحق، خواجہ حسن نظامی، اشرف صبوحی، شاہد احمد دہلوی، رشید احمد صدیقی، محمد طفیل، سعادت حسن منٹو، مجتبیٰ حسین وغیرہ نے اس فن کی روایت کو پروان چڑھایا۔

جان پہچان

عبدالماجد دریابادی ۱۸۹۲ء میں دریاباد (ضلع بارہ بنکی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدا ہی سے انھیں پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد انھوں نے لکھنؤ کے کیننگ کالج سے بی۔اے کی سند حاصل کی۔ شعر و ادب کے ساتھ ساتھ ان کی خاص دلچسپی فلسفہ اور نفسیات میں تھی۔ ان کا بڑا کام قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اسلامی تہذیب و تمدن اور تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی۔ 'تفسیرِ ماجدی، تمدنِ اسلام، محمد علی ذاتی ڈائری کے چند اوراق، مکتوباتِ ماجدی' اور 'انشائے ماجد' وغیرہ ان کی اہم کتابیں ہیں۔

عبدالماجد دریابادی ایک نامور صحافی بھی تھے۔ 'سچ، صدق' اور 'صدقِ جدید' کے نام سے انھوں نے مختلف اوقات میں تین اخبارات جاری کیے۔ ان کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔ ان کی نثر میں علمیت کے ساتھ ساتھ شگفتگی بھی پائی جاتی ہے۔ اپنے منفرد اندازِ تحریر کی وجہ سے عبدالماجد دریابادی کا شمار اُردو کے صاحبِ طرز ادیبوں میں ہوتا ہے۔ ۶ جنوری ۱۹۷۷ء کو ان کا انتقال ہوا۔

نومبر کا مہینہ اور شروع کی تاریخیں ۱۹۲۶ء۔ ایک خوش گوار شام کو لکھنؤ میل کان پور سے چھوٹنے کے قریب ہے کہ دو شخص ندوہ کے سالانہ اجلاس سے بھاگم بھاگ موٹر پر اسٹیشن پہنچتے ہیں اور جھٹ ٹکٹ لے لیا، اسباب کچھ قلیوں اور کچھ والنٹیئر کی مدد سے پھینک پھانک ایک درجے میں جا داخل ہوتے ہیں۔ دو انگریز بمبئی کے پہلے ہی سے بیٹھے چلے آتے ہیں۔ دونوں نو وارد کھدر پوش عبا پوش۔ ایک وجیہہ خوش قطع، دوسرا کریہہ بدقوارہ، دونوں ڈاڑھی دار۔ ان نو واردوں کو دیکھ کر انگریز کچھ ہنسے، کچھ مسکرائے۔ عجب نہیں کہ یہ سمجھے ہوں کہ بلا ٹکٹ گھس آئے ہیں۔ خوش قطع نو وارد اسی برتھ پر بیٹھ گیا جس پر صاحب بہادر جمے ہوئے تھے۔ دوسرے نے مقابل کی نشست اختیار کی۔ گاڑی چلی۔ گنگا کا پل بات کرتے کرتے میں آ گیا۔ صاحب بہادر نے دونوں کی طرف دیکھ کر چھیڑ کی۔ مسکراہٹ سے ہنسے اور منہ بنا کر بولے: "This is mother Ganges" (یہی گنگا مائی ہے) طنز اور زور لفظ mother پر تھا۔ پاس کے

کھدر پوش نے معاً چائے کی پیالی منہ سے ہٹا انگریزی زبان اور انگریز کے لہجے میں کہا، ''یہ مائی اور موسی اور خالہ کیا معنی؟ اچھا آپ یہ رشتہ لیتے ہیں۔ میں تو جانتا تھا کہ دریا بس دریا ہے۔'' صاحب یہ تڑاق سے جواب پا کر سناٹے میں آ گئے۔ یہ برجستہ جواب دینے والا تھا محمد علی اور اس کا ساتھی یا 'تابع مہمل' آپ کا یہ خادم۔ صاحب کو یہ گمان نہ تھا۔ یہ چہرے پر ڈاڑھی اور سر پر پٹھے رکھے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے ہوئے ہندوستانی کچھ بھی انگریزی جانتا ہوگا، چہ جائیکہ انگریزی میں جواب دے سکے اور دیا بھی شستہ اور برجستہ! چپ سادھ کر رہ گئے۔ اس کے بعد ادھر سے منہ پھیر گفتگو اپنے پرانے رفیقِ سفر سے شروع کی۔ ولایت سے کرکٹ کی مشہور و معروف ٹیم 'ایم بی بی' نئی نئی ہندوستان آئی تھی۔ موضوعِ گفتگو میں ٹیم تھی اور اس کے کھیل اور مختلف میچ، محمد علی تھوڑی دیر تو چپ ہنستے رہے، اس کے بعد نہ رہا گیا۔ بولے، دخل در معقولات معاف۔ کھلاڑیوں پر آپ جو رائے زنی کر رہے ہیں، صحیح نہیں ہے۔ فلاں کھلاڑی میں یہ خوبی ہے اور فلاں میں یہ خرابی۔ اور لگے اس کی تفصیل بیان کرنے اور صاحب تھے کہ بھونچکے بنے ایک ملّا نما انسان کی زبان سے یہ ماہرانہ معلومات سن رہے تھے۔ محمد علی اب نفس کرکٹ پر آ گئے اور لگے انگلستانی کرکٹ کی تاریخ بیان کرنے۔ لندن میں اور آکسفورڈ میں فلاں سنہ میں بولنگ کے یہ طریقے رائج تھے، گیند کی پچ یوں پڑتی تھی، بیٹنگ یوں کی جاتی تھی، فلاں زمانے میں یہ تبدیلیاں ہوئیں، ہندوستان اور انگلستان دونوں کی زمینوں میں یہ فرق ہے، وغیرہ وغیرہ۔ بولنے والا اب گفتگو نہیں کر رہا تھا گویا کرکٹ پر انسائیکلوپیڈیا کا آرٹیکل سنا رہا تھا۔ آخر میں صاحب بولے، ''آپ کو کرکٹ کے متعلق بڑی معلومات ہیں۔'' محمد علی نے کہا، ''مجھی کو نہیں بلکہ ہر علی گڑھی کو ایسی ہی معلومات ہوتی ہیں۔'' وہ بولا، ''کیا آپ علی گڑھ میں کپتان رہ چکے ہیں؟'' یہ بولے، ''میں نہیں تھا، big brother تھے۔'' شوکت صاحب کے لیے یہ big brother کی تلمیح محمد علی ہی نے اپنے کانگریس کے خطبۂ صدارت کے وقت سے چلا دی تھی۔ وہ انگریز اس پر بے ساختہ بولا، "You talk like Mohammed Ali." "یہ تو آپ محمد علی کی زبان بول رہے ہیں۔

یہ بولے: "I am Ali." زبان کیسی، میں خود ہی محمد علی ہوں۔'' صاحب بہادر کی حیرت اب دیکھنے کے قابل تھی، آنکھیں پھاڑ کر بولے: "Really one of the two Ali Brothers." ''یعنی وہی محمد علی جو علی برادران ہیں؟ انھوں نے چمک کر جواب دیا، "Yes, the younger and the more sharp-tongued of the two." ''جی ہاں، انھی میں سے چھوٹا اور زیادہ تیز زبان بھائی۔'' صاحب کو اپنی حیرت کے رفع کرنے میں اب کی دیر سیکنڈوں کی نہیں منٹوں کی لگی۔ بے چینی اور بے قراری کے ساتھ بار بار پہلو بدل رہے تھے اور نظر محمد علی کے چہرے پر گڑی ہوئی تھی۔ محمد علی نے اب ہنسنا اور لطف لینا شروع کیا۔ بولے، ''اتنا گھبرائیے نہیں۔ کیا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ علی برادران جس انگریز کو دیکھ پاتے ہیں اس پر جست کر بیٹھتے ہیں۔ دیکھ لیجیے، میرے ناخن تک ترشے ہوئے ہیں۔ حملے کا خیال ہی دل میں نہ لائیے۔'' ایک مشہور انگریزی روزنامہ اس وقت علی برادران کا شدید مخالف تھا۔ صاحب نے اس کا تازہ پرچہ آگے بڑھایا۔ محمد علی نے پرچے کو چھوا تک نہیں، البتہ اس کے ایڈیٹر پر خوب خوب فقرے کسے۔ داستان خاصی طویل ہوگئی اور ایک ہی قصے کو کہاں تک سنے جائیے گا۔

ایک بار محمد علی انگلستان میں تقریر کرنے کھڑے ہوئے۔ وقت کل پانچ منٹ کا ملا۔ انھوں نے تمہید یوں اُٹھائی کہ میں چھ ہزار میل کے فاصلے سے تیس کروڑ آبادی کی نمائندگی کرنے آیا ہوں۔ اب آپ خود حساب لگائیے کہ ایک ایک منٹ نہیں ایک ایک سیکنڈ بلکہ ہر سیکنڈ کی کسر میں مجھے کتنی ترجمانی کا وقت ملتا ہے۔ حاضرین لوٹ گئے اور آوازیں آنے لگیں کہ آپ کہے جائیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ

مولانا پانچ منٹ کی جگہ پورے بیس منٹ تک بولے۔

ایک اور منظر اسی سفر میں لندن میں کسی جگہ مولانا تقریر میں بیان یہ کررہے تھے کہ برلن اور سمرنا تو چاہے حضور چھوڑ ہی دیں۔ قسطنطنیہ کس طرح چھوڑ سکتے ہیں جس سے ہماری تمام قدیم ملّی روایات وابستہ ہیں۔ جلسہ مخالفین سے بھرا ہوا تھا۔ انھی میں سے ایک تاریخ کے فاضل نے کھٹ سے سوال کردیا کہ یہ تو بتائیے کہ قسطنطنیہ کب سے آپ کے قبضے میں ہے؟ کوئی معمولی مقرر ہوتا تو گھبرا جاتا۔ مولانا نے اپنے سلسلۂ کلام میں ذرا فرق آنے دیے بغیر جواب دیا، ''سنہ تو یاد نہیں، اتنا یاد ہے کہ جب سے آپ کے قبضے میں ہندوستان ہے اس سے تگنی مدت سے ہمارے قبضے میں قسطنطنیہ ہے۔'' جلسے میں قہقہہ پڑا اور فاضلِ تاریخ مدھم پڑ گئے۔ محمد علی کی قوتِ حافظہ بلا کی تھی اور ذہانت اور برجستگی تو کہنا چاہیے، ان پر ختم تھی۔ سارے لطائف وظرائف کوئی لکھنے پر آئے تو کتاب کیا معنی، دفتر کا دفتر تیار ہوجائے اور سب لکھ بھی کون سکتا ہے، کس کو سب یاد رہ سکتے تھے۔ مناسبتِ لفظی کے بادشاہ تھے۔ بات میں بات پیدا کردینا انھی کا حصہ تھا۔ ذیابیطس میں مدت سے مبتلا تھے۔ ۱۹۲۸ء میں یہ حال سن سنا، مہاراجا اَلوَر کو کچھ رحم سا آ گیا، ہزار ہا روپے دیے۔ علاج کے لیے یورپ بھجوایا۔ اس سے قبل اَلوَر مدعو کیے گئے۔ مہاراجا انگریزی کے تو ادیب تھے ہی، فارسی کے بھی شاعر تھے اور وحشیؔ تخلص کرتے تھے۔ ملاقات کے وقت اپنا دیوان پیش کیا اور اس پر اپنے قلم سے یہ عبارت لکھی:

''To my Moulana from his Wehshi.'' اپنے مولانا کی خدمت میں ان کے وحشی کا ہدیہ۔ مولانا نے اپنا تصنیف کیا ہوا جامعہ کا نصابِ تعلیم نکالا تو اس پر یہ عبارت لکھ کر پیش کردیا:

''From a bogus Maulana to a real Maharaja.'' یعنی ''ایک نام کے مولانا کی طرف سے کام کے مہاراجا کی خدمت میں ہدیہ۔'' حدِ ذہانت یہ تھی کہ غصّے کی حالت میں بھی فقرہ چست کرنے سے نہ چوٗکتے۔

خلافت کمیٹی کے جلسوں میں گرما گرم نوک جھونک کے وقت بارہا یہ منظر دیکھنے میں آتا۔ ایک بار کیا ہوا کہ مرکزی خلافت کمیٹی کا اجلاس دلّی میں حکیم اجمل خاں صاحب کے مکان پر ہورہا تھا۔ محمد علی بیمار و معذور لیٹے ہوئے تھے۔ مخالف صف میں ایک اور مشہور لیڈر ایک روزنامے کے مالک، مع اپنے صاحبزادے کے، اور اسی روزنامے کے ایڈیٹر بھی تشریف فرما تھے۔ بحث نے طول کھینچا اور یہ تینوں صاحب ناخوش اور جلسے سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ محمد علی برجستہ پکار اُٹھے، ''غضب ہوگیا۔ باپ، بیٹے، روح القدس تینوں خفا ہوگئے۔'' ذہانت کے لیے بڑا میدان شعر و شاعری کا تھا۔ محمد علی خود بھی شاعر تھے اور شاعری کی دنیا میں نام تھا جوہرؔ۔ سب سے بڑے بھائی کا تخلص تھا گوہرؔ۔ فرماتے تھے کہ منجھلے بھائی شوکت بے تخلص رہے جاتے ہیں۔ ان کے لیے تخلص تجویز کرتا ہوں، اسی وزن اور قافیے میں 'شوہر'۔ شیفتہؔ کی مشہور غزل؛ 'نادانیوں میں ہم، پشیمانیوں میں ہم' پر غزل کہنے بیٹھے تو مطلع فرماتے ہیں:

کیوں شہر چھوڑ، جائیں گے دہقانیوں میں ہم
مجنوں کے ساتھ ہوں گے بیابانیوں میں ہم

خود بیجاپور جیل میں قید تھے۔ کیم شیم بڑے بھائی راج کوٹ جیل میں پڑے پڑے دبلے ہوگئے تھے۔ ان کی زبان سے ادا کیا ہے:

شوکتؔ یہ کہتے ہیں، وہ تن و توش جب نہیں
پھر کیوں گنیں نہ اپنے کو روحانیوں میں ہم

ابھی گو جوان ہی تھے کہ علی گڑھ کالج میں طالب علموں نے زبردست اسٹرائیک کی۔ عین اسی زمانے میں سرسیّد کی برسی کا دن آیا اور اسی دن اولڈ بوائز نے بھی اپنا سالانہ جلسہ منانا طے کیا۔ محمد علی آتے ہیں اور ایک منظوم عریضہ سرسیّد کی روح کی خدمت میں اپنے ہی جیسے بڈھے لڑکوں کو سنا کر پیش کرتے ہیں۔

لڑکا کوئی نہ تھا۔ لڑکیاں چار تھیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر چہیتی اور لاڈلی۔ ۱۹۲۳ء میں ابھی جیل ہی میں تھے کہ منجھلی لڑکی آمنہ بی، جوان شادی شدہ دق میں مبتلا ہوئیں اور مرض روز بروز بڑھتا گیا۔ مجبور و مقید چاہنے والے باپ پر کیا گزری ہوگی جو دوسروں کی اولاد کے لیے تڑپ جانے والا تھا، خود اپنی نازوں کی پالی نورِ نظر کے لیے کیسا کیسا بلبلایا ہوگا، تلملایا ہوگا، پھڑ پھڑایا ہوگا۔ کچھ زور نہ چلا تو عالمِ خیال ہی میں بیٹی سے کہنے لگے :

میں ہوں مجبور پر اللہ تو مجبور نہیں
تجھ سے میں دور سہی وہ تو مگر دور نہیں

ایک نہیں، دو جوان پیاری سی لڑکیوں کا جنازہ اپنے ہاتھوں اُٹھایا، قبر میں سلایا۔ دل ان ذاتی صدموں کی تاب کہاں لاتا۔ قومی صدمے ان سے بڑھ چڑھ کر۔ جیے اس کے بعد چھ سات سال۔ محمد علی کو قوم و ملت کے پیشوا، ملک کے سردار کی حیثیت سے لاکھوں نے جانا، کروڑوں نے پہچانا۔ ان سب سے زیادہ خوش نصیب وہ تھے جنھوں نے محمد علی کو قریب سے بہ حیثیت دوست کے، عزیز کے، انسان کے دیکھا۔ کیا بیان کیا جائے، کیسی نعمت انھیں ہاتھ آ گئی تھی۔ ایک صداقتِ مجسم، ایک پیکرِ اخلاص، جرأت، دیانت، ہمت، بے خوفی کا مجسمہ۔ پاس والے جتنے قریب سے دیکھتے گئے، حضرت جوہؔر کے جواہر اور زیادہ کھلتے گئے، نکھرتے گئے۔ مشہور تمام تر ایک بے باک سیاسی لیڈر کی حیثیت سے تھے لیکن ان کے لغت میں ڈپلومیسی کا لفظ ہی نہ تھا۔ ظاہر باطن یکساں۔ جو خیال جس کے متعلق دماغ میں آ گیا، زبان سے ادا ہو کر رہا۔ جو بات دل میں آئی منہ پر آئے بغیر نہ رہی۔ کہتے ہیں کہ اہلِ سیاست وہ ہوتے ہیں جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ محمد علی اس معنی میں اہلِ سیاست قطعاً نہ تھے۔ ایک بار نہ تھے، ہزار بار نہ تھے۔ محبت کے پتلے تھے، مہر و اُلفت کے بندے تھے، بیوی بچوں کے عاشقِ زار، دوستوں، رفیقوں، ساتھیوں پر سو جان سے نثار اور دور کا واسطہ رکھنے والوں کے مونس و غم گسار۔ کہا کرتے تھے کہ شہرت میں کیا رکھا ہے۔ میں تو محبت کا بھوکا ہوں۔ مسلمانوں کے اور عالمِ اسلامی کے ساتھ شیفتگی کی یہ کیفیت کہ افریقہ میں کسی کے تلوے میں کانٹا چبھے اور اس کی چبھن یہاں ہندوستان میں محمد علی محسوس کریں۔ ’’سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے‘‘ یہ مصرعہ بارہا سننے میں آیا تھا اور دل ہمیشہ اسے نری شاعری سمجھا۔ محمد علی کی زندگی نے سمجھا دیا کہ شاعری کبھی حقیقتِ مجسم بن جاتی ہے۔ لوگوں کو مہمان بنانے، کھانا کھلانے، خاطریں کرنے کے حریص تھے۔ زندگی کا ثبوت بہت سے زندوں سے بڑھ کر دیتے رہے لیکن جاننے والے جانتے تھے کہ نہ پنپنا تھا نہ پنپے۔ ہنستے ہیں، بولتے ہیں، گرجتے ہیں لیکن اندر ہی اندر جلتے گئے، پھکتے گئے، پھکتے گئے۔ مذہب کے دیوانے تھے۔ پروردگار سے ایسا عشق کم دیکھنے میں آیا ہے۔ قرآن پڑھتے تو قرآن ہی کے ہو جاتے۔ جب اس مضمون کی آیتیں پڑھتے کہ منافقوں کو دیکھو کہ بجائے اللہ کے یہ اللہ کے بندوں سے ڈرتے ہیں تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

۴ اور ۵ جنوری ۱۹۳۱ء کی درمیانی شب میں مشیتِ الٰہی نے مسلمانوں سے یہ نعمت واپس طلب کر لی۔ شاید اس لیے کہ محمد علی

کے اہلِ وطن، اہلِ ملت اس نعمت کے اہل ثابت نہ ہوئے۔ جان لندن میں جان آفریں کے سپرد کی۔ آخری آرام گاہ کے لیے جگہ کہاں ملی! سرزمینِ مقدس میں، قبلۂ اوّل کے قریب جامعِ عمرؓ سے متصل۔

ماتم وشیون کی صدائیں ہندوستان بھر میں اور سارے عالمِ اسلامی میں اس زور شور سے اُٹھیں اور اتنے روز تک رہیں کہ تاریخ میں مثال مشکل ہی سے ملے گی۔

''ماتم یہ زمانہ میں بپا میرے لیے ہے'' انھی کا مصرعہ ہے اور یہ بھی تو خود ہی فرما گئے تھے:

ہے رشک ایک خَلق کو جوہؔر کی موت پر
یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

معانی و اشارات

عبا پوش	-	جبہ پہنے ہوئے
وجیہہ	-	خوش وضع، خوب صورت
کریہہ	-	بدشکل
بدقوارہ	-	بدصورت
پٹھے (پٹے)	-	مرد کے سر کے دونوں طرف کے بال
چہ جائیکہ	-	مراد یہ تو ممکن ہی نہیں
شستہ	-	صاف ستھرا
برجستہ	-	بے ساختہ
ولایت	-	بیرون ملک
دخل در معقولات	-	معقول باتوں میں دخل
رائے زنی	-	کسی امر کے بارے میں اظہارِ رائے
سیکنڈ کی کسر	-	ایک لمحے سے بھی کم عرصہ
کسر	-	ٹوٹا ہوا حصہ
لطائف وظرائف	-	مزے دار باتیں
ڈپلومیسی (diplomacy)	-	سیاسی چال بازی، شاطری
شیوَن	-	رونا، فریاد کرنا

مشقی سرگرمیاں

* ریل میں بھاگم بھاگ داخل ہونے والے افراد کے حلیے کا شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔

	افراد کا حلیہ	

* محمد علی جوہؔر کی صفات کا رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

صفات
↓ ....
↓ ....
↓ ....
↓ ....
↓ ....
↓ ....

* ذیل کی سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ ریل کے سفر میں محمد علی جوہؔر کی برجستگی کے واقعے کو اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

۲۔ محمد علی جوہؔر کی کرکٹ سے متعلق معلومات کو تفصیل سے لکھیے۔

۳۔ ''جی ہاں! انھی میں سے چھوٹا اور زیادہ تیز زبان بھائی۔'' محمد علی جوہؔر کے اس جملے سے متعلق واقعہ تحریر کیجیے۔

۴۔ ''مولانا محمد علی جوہؔر مناسبتِ لفظی کے بادشاہ تھے۔'' متن کے حوالے سے اس جملے سے متعلق معلومات لکھیے۔

۵۔ تحریکِ آزادی میں مولانا محمد علی جوہؔر کے کردار کو واضح کیجیے۔

۶۔ مولانا محمد علی جوہؔر کے انتقال و تدفین کے بارے میں لکھیے۔

۷۔ ریل کے سفر کی روشنی میں انگریزوں کے نسلی امتیاز پر اپنے ردِّعمل کا اظہار کیجیے۔

۸۔ مہاراجا الوَر اور محمد علی جوہؔر کی انگریزی عبارتوں پر اپنے تاثرات تحریر کیجیے۔

۹۔ 'تحریکِ آزادی اور خلافت تحریک' اس عنوان پر پچیس تا تیس سطروں کا مضمون لکھیے۔

سرگرمی/منصوبہ

* اپنی پسندیدہ شخصیت کا خاکہ لکھیے۔
* رشید احمد صدیقی کی کتاب 'گنج ہائے گراں مایہ' سے محمد علی جوہؔر پر لکھا خاکہ حاصل کر کے پڑھیے۔
* علی برادران اور خلافت تحریک سے متعلق معلوماتی منصوبہ تیار کیجیے۔
* جنوبی افریقہ میں گاندھی جی کے ساتھ ریل میں پیش آنے والا نسلی امتیاز کا واقعہ بیان کیجیے۔

محمد علی جوہؔر کے چند اشعار

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں ان سے خلوت میں ملاقاتیں

☆

ہر آن تسلی ہے ہر لحظہ تشفی ہے
ہر وقت ہے دل جوئی ہر دم ہیں مداراتیں

☆

معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت
اک فاسق و فاجر میں اور ایسی کراماتیں

☆

بیٹھا ہوا توبہ کی تو خیر منایا کر
ٹلتی نہیں یوں جوہؔر اس دیس کی برساتیں

☆

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ زمانے سے خفا میرے لیے ہے

☆

ساری دنیا یہ سمجھتی ہے کہ سودائی ہے
اب مرا ہوش میں آنا تری رسوائی ہے

☆

شکوہ صیاد کا بے جا ہے قفس میں بلبل
یاں تجھے آپ ترا طرزِ فغاں لایا ہے

☆

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

☆